محترم جناب محمد طاہر صاحب

وسطی ایشیا اور برصغیر پاک و ہند

تاریخی، تہذیبی، ثقافتی، دینی اور علمی رشتوں پر ایک نظر

زیرِ نظر مضمون ایک طویل تر مقالے پر مشتمل ہے جس میں برصغیر پاکستان و ہند اور وسطی ایشیا کے درمیان علمی، ثقافتی اور سیاسی تعلقات کے پس منظر میں وسطی ایشیا کے مطالعے اور اسکی متنوع جہتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالے میں بنیادی طور پر فارسی اور اردو زبان میں موجود کتب و مقالات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے ـــــ برصغیر پاکستان و ہند سے تعلق رکھنے والے بعض اہلِ علم نے مغربی جامعات میں اعلیٰ اسناد کے لیے وسطی ایشیا کی تاریخ و ثقافت یا سیاست پر قلم اٹھایا ہے اور یہ سرمایہ مغربی زبانوں ہی میں چھپا ہے۔

علوم و فنون اور تہذیب تمدن کی تاریخ کا جائزہ لیں تو وسطی ایشیا کا خطہ خصوصی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے اور بالخصوص اسلامی تاریخ کے تناظر میں وسطی ایشیا شاندار روایات کا امین ہے ... تفسیر کا میدان ہو یا علم الحدیث کا، تدوین فقہ کا جانکاہ کام ہو یا تزکیہ نفوس کیلئے سلاسل تصوف کی خدمات ہر ہر پہلو روشن و تابندہ ہے۔ اس بلندی اور عروج کے باوصف فلکِ پیر نے انتشار و زوال کا منظر بھی دیکھا اور یوں اہم اسلامی مراکز علمی کا دنیائے اسلام سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ لیکن حال ہی میں جب سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں تو وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں بھی آزادی کی منزل سے ہمکنار ہوئیں، ماہنامہ "الحق" اس سلسلے میں مضامین کی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے تاکہ وسطی ایشیا میں موجود ملی ورثہ کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ عروج و زوال کی تاریخ کا ایک تحلیلی جائزہ بھی پیش کیا جا سکے ـــــ ماہنامہ "الحق" کے اس خصوصی سلسلہ مضامین کیلئے اہل علم و فضل سے قلمی تعاون کی درخواست ہے۔

(عبدالقیوم حقانی)

"وسطی ایشیا" اور برصغیر کے درمیان روابط زمانہ قدیم سے قائم ہیں۔ اثری انکشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۰۰۰ ق۔م سے لے کر ۲۵۰۰ ق۔م کے دور میں ان دونوں خطوں کے درمیان تجارتی روابط تھے کاروان آتے جاتے تھے اور اشیائے خرید و فروخت کے ساتھ دونوں خطوں کے لوگ ایک دوسرے کی تہذیب و ثقافت سے آگاہ تھے، تاہم باہمی روابط کا بھرپور اظہار ظہورِ اسلام کے بعد ہوا اور دونوں خطوں کی تاریخ میں اشتراک کا عنصر بڑھ گیا۔ تقریباً ایک ہی زمانے میں دونوں خطوں میں اسلام کا پیغام پہنچا۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مسلم مجاہدین کے قدم ایک طرف خراسان تک پہنچ گئے۔

تو دوسری طرف مکران ان کے زیرِ نگین تھا۔ برصغیر اور فارس کے ساتھ تجارتی اور فوجی رابطہ قائم رکھنے کے لیے شط العرب کے کنارے ۶۳۷ء میں بصرہ کی چھاؤنی بسائی گئی۔ اسی سال والیٔ خراسان عبداللہ بن زیاد نے "وسطی ایشیا" میں پیش قدمی کی۔ دریائے جیحوں کے پار بخارا، سمرقند اور ترمذ پر مسلم بالادستی قائم ہوئی۔ دوسری طرف برصغیر پاکستان و ہند پر فوج کشی سے پہلے "ابن جبلہ" سے رپورٹ طلب کی گئی جس نے ملک کی ویرانی، سرزمین

کی خرابی، اہل وطن کی بے وفائی کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا کہ خلافت راشدہ کی طرف سے برصغیر پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں اس الفتنہ الکبریٰ نے جنم لیا جس نے نہ صرف فتوحات کا سلسلہ روک دیا بلکہ امت مسلمہ کی قوت باہمی اختلاف و انتشار میں ضائع ہونے لگی۔ یہ انتشار تقریباً ۵۰ سال بعد ختم ہوا اور ولید بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں لشکرِ اسلام نے ایک بار پھر پیش قدمی شروع کی۔ قتیبہ بن مسلم باہلی نے خطۂ ماوراءالنہر کے ان مقامی حکمرانوں کی سرکوبی کی جو مرکز خلافت میں تبدیلی کے ساتھ ہی معاہدوں سے روگردانی کر لیتے تھے۔ قتیبہ نے ماوراءالنہر پر گرفت مضبوط کرنے کے ساتھ کاشغر اور پھر چین پر لشکر کشی کی۔ ولید بن عبدالملک کے عہد ہی میں محمد بن قاسم نے سندھ میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ دونوں سپہ سالار اپنی فتوحات کو مستحکم کر رہے تھے کہ ولید کی رحلت پر سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا اور معمولی سے اختلاف کے ساتھ دونوں جرنیلوں کا انجام یکساں طور پر عبرت ناک ہوا۔

برصغیر پاکستان و ہند میں مسلم اقتدار جو محمد بن قاسم کی جدوجہد سے قائم ہوا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتا چلا گیا اور ایک ایسا وقت آیا جب اس کا خلافتِ اسلام سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اسماعیلی داعیوں نے سندھ اور ملتان کو اپنی سرگرمیوں کی آماج گاہ بنا لیا۔ دوسری طرف "وسطی ایشیا" کے والی خلافت اسلامیہ کی گرفت سے آزاد ہو چکے تھے اور اپنے معاملات میں کلیتاً آزاد تھے تاہم انہوں نے خلافت کی اطاعت کا زبانی ربط قائم رکھا۔ "وسطی ایشیا" کے مہم جو حکمران ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے اور مختلف حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہیں۔ ان میں سے ایک "امارت" ۸۷۲ء میں اسماعیل سامانی نے قائم کی تھی جس کا دارالحکومت بخارا تھا۔ سامانی امارت کی حدود میں ماوراءالنہر، خراسان اور ایران کے کچھ حصے شامل تھے۔ سامانی امیر احمد بن اسماعیل کا ایک ترک غلام الپتگین تھا جسے امیر نصر بن احمد نے اس کی خدماتِ جلیلہ کے پیشِ نظر آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں الپتگین سامانی حکمرانوں کی باہمی چپقلش میں ایک فریق کا ساتھی بن گیا اور جب اس کا حمایت یافتہ فریق امارت حاصل نہ کر سکا تو الپتگین نے اسی میں بہتری سمجھی کہ بخارا سے دور رہے چنانچہ اس نے غزنی میں قسمت آزمائی کی اور اپریل ۹۶۲ء میں "امارتِ غزنہ" کی بنیاد رکھی۔ اس "امارت غزنہ" کے حاکموں ـــــ سبکتگین اور سلطان محمود (بن سبکتگین) نے ہندو شاہی حکمرانوں کے خلاف فوج کشی کی اور پنجاب ان کے اقتدار میں آگیا۔ (۱۰۲۱ء) پنجاب تقریباً پونے دو سو سال "امارتِ غزنہ" کا حصہ رہا۔ امارت غزنہ کی طرف سے "نائب السلطنت" لاہور میں رہنے لگا تھا اور آخر میں جب "امارتِ غزنہ" کا آفتاب غزنی میں غروب ہو گیا تو انہوں نے مستقل طور پر لاہور ہی کو پایۂ تخت بنا لیا تھا۔ غزنویوں کے زوال کے ساتھ غوریوں کا سورج طلوع ہوا۔ انہوں نے غزنوی روایت کے مطابق پنجاب پر قبضہ قائم رکھا۔

شہاب الدین محمد غوری کے پنجاب میں قتل پر اُس کے ایک ترک غلام نے برصغیر میں پہلی آزاد مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ (۱۲۰۶ء)

جب پنجاب غزنی اور غور کی امارتوں کا حصّہ تھا تو نہ صرف اِن علاقوں سے ہر طبقۂ زندگی کے لوگوں نے پنجاب کا رخ کیا بلکہ ایران اور "وسطی ایشیا" کے تاجر، شعراء، علماء و مبلّغین، سپاہی پیشہ لوگ اور سیّاح بھی جوق در جوق آکر پنجاب میں آباد ہونے لگے۔ شیخ اسماعیل بخاری لاہوری پہلے اہم مبلغِ اسلام تھے جو اپنی جنم بھومی، "بخارا" سے لاہور وارد ہوئے تھے۔ لاہور علم و فضل کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ نائب السلطنت ابراہیم کا ایک وزیر ابونصر فارسی علم و ادب کا مربّی تھا۔ اُس نے لاہور میں ایک خانقاہ قائم کی جو تشنگانِ علوم کا مرجع تھی۔ "تاریخ سلاطین آلِ غزنین" کے الفاظ میں۔

> وجوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذلک ازاں خیرات نبیع منتفع می شدند چندانکہ یک آبادانی نو در حدودِ لاہور پدید آمد۔

غزنوی دور میں جہاں لاہور راسخ العقیدہ علماء و مشائخ کے لیے اپنے اندر کشش رکھتا تھا، وہیں عقلیت پسند دانش وروں کی آمد و رفت بھی جاری رہی۔ "امارتِ غزنہ" کے بانی سبکتگین کے زمانے میں اسماعیلی داعیوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں جن کے نتیجے میں سامانی امارت ختم ہوئی تھی۔ اسماعیلی دعاۃ نے اپنی دعوت کو فلسفہ کے ساتھ مدغم کر رکھا تھا۔ ۲۔ بوعلی سینا اور البیرونی جیسے اہلِ دانش اسماعیلی تحریک سے وابستہ تھے۔ ۳۔ اور فلسفہ و حکمت میں ایک بلند مقام کے حامل تھے۔ بوعلی سینا کے زمانے میں اور بعد میں بھی عراق و خراسان میں فلاسفہ پیدا ہوئے مگر جو قبولِ عام بوعلی سینا کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا، حتیٰ کہ اُس کا مرتبہ نظامِ فلسفہ آج "اسلامی فلسفہ" سمجھا جاتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی کو جب اسماعیلی باغی تحریک کے مضمرات کا اندازہ ہوا تو اُس نے اس کی بیخ کنی کی کوشش کی۔ پہلے ملتان کی طرف توجہ دی اور اس کے بعد خوارزم کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۰۱۲ء میں فاطمی خلیفہ مصر نے مشرق میں اسماعیلی تحریک کی تنظیم کے لیے ایک سفیر روانہ کیا جسے محمود نے بڑی بے عزتی سے قتل کرا دیا اور ساتھ ہی اسماعیلی داعیوں کی سرگرمیوں کی نگرانی شروع کر دی۔ خوارزم میں بوعلی سینا تحریک کا سرخیل تھا۔ محمود غزنوی نے اُسے بلطائف الحیل قابو کرنا چاہا مگر وہ خوارزم سے نکل بھاگا اور مختلف درباروں میں ہوتا ہوا آخر اصفہان جا پہنچا جہاں علاء الدولہ نے جو ایک خلافت بیزار شعوبی تھا، اُس کی قدر و منزلت کی۔ وہیں ۱۰۳۶ء میں بوعلی سینا کا انتقال ہوا۔

محمود کو خوارزم کے معاملات میں اُس وقت مداخلت کا موقع مل گیا جب درباریوں نے اُس کے بہنوئی ابوالعباس مامون کو قتل کر دیا تھا۔ (۱۰۱۶ء) خوارزم کی فتح کے بعد محمود کو جن لوگوں پر ذرا سا بھی شبہ تھا، انہیں سخت سزائیں دیں انہیں معتوبین میں البوریحان البیرونی بھی تھا جسے جلاوطن کر کے برصغیر بھیج دیا گیا۔ لاہور میں البوریحان البیرونی نے مسعود غزنوی کے نام پر "قانونِ مسعودی" مرتب کی۔ البیرونی کی کتابوں میں "فی تحقیق ما للہند" ہندوستان کے مذہب فلسفہ وادب، رسم ورواج، علوم اور قانون کا دائرۃ المعارف ہے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات دادِ تحسین وصول کر رہی ہیں۔

۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک نے برصغیر پاکستان وہند میں باقاعدہ مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی اور مسلم اقتدار ۱۸۵۷ء تک نشیب وفراز سے گزرتا ہوا قائم رہا۔ برصغیر اور بالخصوص شمالی علاقوں کے حکمران خاندانوں میں سیّدوں لودھیوں اور سوریوں کے علاوہ سب ہی کا تعلق کسی نہ کسی واسطے سے "وسطی ایشیا" سے تھا۔ یہ لوگ نسلاً ترک تھے ان کی مادری زبان ترکی تھی مگر ان کے درباروں میں فارسی کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہ روایت "وسطی ایشیا" میں پروان چڑھی تھی۔ تفسیر وحدیث اور ایک حد تک عقائد وتصوّف کے لیے عربی زبان اپنائی گئی مگر تاریخ وثقافت کے لیے فارسی کو قبولِ عام حاصل رہا۔ "وسطی ایشیا" کے سامانی، سلجوقی، خوارزم شاہی، ایلخانی اور تیموری ادوار میں نہ صرف ایران وخراسان میں فارسی شعروادب نے ترقی کی بلکہ ترکوں کے درمیان جعفر بن محمد رودکی (م ۹۵۴ء) افضل الدین خاقانی شروانی (م ۱۱۹۹ء)، نظامی گنجوی (م ۱۲۰۹ء) مجیر بیلقانی (م ۱۱۹۸ء)، رشید الدین وطواط (م ۱۱۸۲ء) اوحدی مراغی (م ۱۳۸۳ء) کمال خجندی (م ۱۴۰۵ء) جیسے شعراء کا تعلق آج کے "وسطی ایشیا" سے ہے۔ اسی طرح عبدالرزاق سمرقندی (م ۱۴۸۲ء) اور دولت شاہ سمرقندی (م ۱۴۹۴ء) نے اس زمانے میں فارسی تالیفات کے ذریعے نام کمایا جب تیموریوں کے زیرِ اثر ترکی زبان کا رواج بڑھنے سے فارسی ادب انحطاط کا شکار ہو چکا تھا۔

"سلطنتِ دہلی" کے بیسیوں فارسی شعراء میں فضل ملتانی، ناصری، روحانی سمرقندی، بدر چاچ وہ معروف شعراء ہیں جو "وسطی ایشیا" میں پیدا ہوئے اور نقلِ وطن کر کے برصغیر آ گئے تھے۔ امیر خسرو خود تو پٹیالی میں پیدا ہوئے تھے مگر اُن کے والد سیف الدین باہر سے آئے تھے۔ نثر نگاروں میں "جامع الحکایات ولوامع الروایات" اور "لباب الالباب" کے مؤلف سدید الدین محمد عوفی بخارا کے رہنے والے تھے۔ ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف شہروں میں زندگی کا ایک حصہ گذار کر برصغیر آئے تھے اور پہلے ناصر الدین قباچہ اور پھر سلطان شمس الدین التتمش کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ شعر وادب سے ہٹ کر مسجد وخانقاہ پر نگاہ ڈالی جائے تو "وسطی ایشیا" کی نمائندگی متاثر کن ہے۔

برصغیر پاکستان وہند میں سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد خواجہ معین الدین چشتی (م ۱۲۳۶ء) نے رکھی تھی۔ وہ سجستان کے

رہنے والے تھے مگر انہوں نے علوم دینیہ کی تحصیل سمرقند میں کی تھی۔ اُن کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۱۲۳۵ء) کا تعلق فرغانہ کے قصبہ اوش سے تھا۔ ایک اور چشتی بزرگ قاضی حمیدالدین ناگوری (م ۱۲۹۶ء) کے والد شہاب الدین غوری کے عہد میں بخارا سے دہلی آئے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۱۳۲۵ء) بدایوں میں پیدا ہوئے مگر تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ اُن کے اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر تشریف لائے تھے۔

سہروردی سلسلے کے پیش رو شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی (م ۱۲۶۶ء) ہیں۔ اُن کی کوششوں سے یہ سلسلہ سندھ ملتان اور بلوچستان میں مقبول ہوا۔ شیخ بہاءالدین زکریا یہ (ضلع مظفرگڑھ) سے ۱۶ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے تھے مگر اُن کے ننھیال کا تعلق ترمذ سے تھا اور خود اُن کے دادا کمال الدین علی شاہ قریشی خوارزم سے ملتان آئے تھے۔ شیخ بہاءالدین زکریا نے تعلیم اپنے اجداد کے وطن "وسطی ایشیا" کے شہروں میں حاصل کی۔ اِسی طرح سہروردی بزرگ شیخ جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت (م ۱۳۸۴ء) کے جدِّ امجد سید جلال الدین سرخ بخاری (م ۱۲۹۱ء) بخارا سے ۱۲۳۷ء میں اُوچ آئے تھے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بہت سیر و سیاحت کی تھی۔ اگرچہ اُن کے نام سے جو سفرنامے متداول ہیں، سراسر جعلی ہیں۔ مگر اُن کے ملفوظات میں عالم اسلام کے مختلف بلاد و امصار کے بارے میں اُن کے تاثرات کا ذکر ملتا ہے۔ اِسی طرح اُن کے متوسلین بھی "وسطی ایشیا" کے سفر کرتے رہے تھے۔ اُن کے مجموعۂ ملفوظات "سراج الہدایت" کے مرتب کا بیان ہے کہ جب وہ سمرقند پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم سمرقند گئے تھے۔ اُن سے چینگے کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اِس کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا۔

نقشبندی سلسلے نے "وسطی ایشیا" کی فضا میں ترقی کی تھی۔ یہ سلسلہ جو وہاں "سلسلۂ خواجگان" کے نام سے معروف ہے، خواجہ احمد اتالیوی (م ۱۱۶۶ء) کے نام منسوب ہے۔ اُن کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی (م ۱۱۷۹ء) نے سلسلے کی اشاعت و توسیع میں بڑا کام کیا لیکن اِس سلسلے کی مقبولیت میں خواجہ بہاءالدین نقشبند (م ۱۳۸۸ء) کی توجہات اور سرگرمیوں کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اُن ہی کے نام پر "سلسلۂ نقشبندیہ" مشہور ہوا۔ خواجہ باقی باللہ (م ۱۶۰۳ء) اِس سلسلے کو برصغیر پاکستان و ہند لائے تھے۔ وہ ۱۵۶۴ء میں کابل میں پیدا ہوئے تھے مگر کابل سے سمرقند چلے گئے تھے اور وہاں سے ایران و عراق ہوتے ہوئے برصغیر آئے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔

این تخمِ پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگین ہند کشتیم

خواجہ باقی باللہ کے مرید و خلیفہ شیخ احمد مجدّد سرہندی (م ۱۶۲۴ء) نے اِس سلسلے کو چار چاند لگا دیئے اور سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ کو برصغیر سے باہر افغانستان میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ ملا شور بازار (کابل) کا خانوادہ اسی سلسلے سے تعلق رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا سلاسلِ تصوّف سے متعلق صوفیاء نے نہ صرف دین کی اشاعت میں حصّہ لیا۔ مخلوقِ خدا کو توحید کا درس

دیا، باہم محبت سکھائی بلکہ انہوں نے اپنی تالیفات، ملفوظات اور مکتوبات کے ذریعے فارسی ادب کو بھی مالا مال کیا۔ برصغیر کے حکمران خاندانوں کی مادری زبان ترکی تھی مگر سرکاری زبان فارسی رہی جو اپنے لہجے اور زبان و بیان کے اعتبار سے "فارس" کے بجائے "وسطی ایشیا" کے زیادہ قریب تھی۔

سلاطین دہلی کے ۳۲۰ سالہ دورِ حکومت میں برصغیر پاکستان و ہند اور "وسطی ایشیا" کے درمیان علمی و ثقافتی روابط کے ساتھ سیاسی سطح پر بھی تعلقات استوار ہوتے۔ یہ روابط کبھی دشمنی اور کبھی دوستی کی مثال پیش کرتے تھے، مگر اتنا واضح کہ "وسطی ایشیا" کے طاقتور حکمرانوں نے برصغیر کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۲۰۶ء میں سلطنتِ دہلی کی باقاعدہ بنیاد پڑی اور اسی سال تموجن (۱۱۵۵ء - ۱۲۲۷ء) منگولوں کا "خان" بنا اور چنگیز کا لقب اختیار کیا جو بعد میں عظیم منگول سلطنت کا بانی ثابت ہوا۔

سلطنتِ دہلی کے سارے عرصے میں دریائے سندھ کے دونوں طرف کا علاقہ ٹکڑوں میں بٹا رہا اور یہاں کوئی پائیدار اور یکساں طرزِ حکومت جڑ نہ پکڑ سکا۔ "وسطی ایشیا" سے آنے والوں کا راستہ غزنی سے ہو کر گزرتا تھا اس لیے برصغیر میں اُن کی تاخت و تاراج کا میدان بنوں اور اس سے ملحق علاقہ تھا۔ کوہِ جُود (کوہستانِ نمک) اور اس کے گرد و نواح کا خطہ "وسطی ایشیا" اور سلطنتِ دہلی کے درمیان BUFFER ZONE کی حیثیت رکھتا تھا۔ "وسطی ایشیا" کے منگول حکمرانوں نے اپنی قوت میں اضافے کے لیے ہمیشہ برصغیر پر اپنی نظریں جمائے رکھیں مگر وہ اسے اپنی سلطنت کا حصہ بنانے کی جگہ اسے لوٹنے سے غرض رکھتے تھے۔ سلاطینِ دہلی کبھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ منگولوں کی قوت کو اُن کے وطن جا کر کچل دیتے، تمام لڑائیاں برصغیر کی سرزمین پر لڑی گئیں، تاہم سلاطین دہلی کے رویے میں وقت کے ساتھ تبدیلی پیدا ہوئی۔ ابتدا میں دہلی کے سلاطین کی کوشش رہی کہ وہ منگولوں کے غصے کو دعوت نہ دیں اور مصالحت کے ذریعے کام چلائیں۔ بعد میں اپنی سرحدوں کو مضبوط کرتے ہوئے سلاطینِ دہلی نے ان کے مقابلے کی پالیسی اختیار کی۔ درمیان میں "وسطی ایشیا" میں آنے والی تبدیلیوں نے منگول حکمرانوں کو کبھی دہلی پر حملہ آور ہونے اور کبھی تحائف اور نذرانوں سے لدے ہوئے سفیروں کو بھیجنے پر مجبور کیا۔

سلطنتِ دہلی اور "وسطی ایشیا" کے درمیان پہلا رابطہ چنگیز خان کی زندگی میں ہوا جب وہ جلال الدین خوارزم شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سندھ تک آگیا تھا۔ خوارزم شاہ جان بچا کر لاہور پہنچا اور دہلی کے ارادے سے چل پڑا اُس نے "دینی اخوت" کے نام پر التتمش کو اپنے ساتھ ملا کر چنگیز خان کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ التتمش نے اپنی داخلی مشکلات اور راجپوت خطرے کے تحت یہی مناسب سمجھا کہ خوارزم شاہ کو دہلی آنے سے حکمت عملی سے روک دیا جائے اور چنگیز خان کی مخالفت مول نہ لی جائے۔ التتمش کی پالیسی

کامیاب رہی۔ خوارزم شاہ، التتمش کے مخالف ناصرالدین قباچہ کے زیر انتظام علاقوں میں تاخت و تاراج کرتا رہا اور چنگیز خان واپس چلا گیا۔ چنگیز خان کے مقرر کردہ جرنیلوں نے خوارزم شاہ کا پیچھا جاری رکھا اور اس سلسلے میں تورتی نامی منگول جرنیل نے ملتان پر حملہ کیا مگر پیش آمدہ مزاحمت کے تحت واپس غزنی چلا گیا۔

چنگیز خان کی وفات پر اُس کی عظیم سلطنت اُس کے چار بیٹوں (اور اُن کی اولاد) میں بٹ گئی۔ اوقتائی خان کو خانِ اعظم تسلیم کیا گیا (۱۲۲۹ء) اور مغربی منگولیا اُس کے زیر نگین تھا۔ کاشغر اور ماوراءالنہر کے بڑے حصے یعنی "وسطی ایشیا" پر چغتائی خان کی حکومت تھی۔ جوجی کے اخلاف کو قبچاق کا علاقہ ملا اور چنگیز خان کے سب سے چھوٹے بیٹے تلی کو منگولوں کا اصل وطن یعنی مشرقی منگولیا کا علاقہ ملا۔ ۱۲۴۱ء میں اوقتائی خان کے انتقال کے بعد چنگیز کی اولاد میں بالادستی کی جدوجہد شروع ہوئی اور ہلاکو خان ایران میں ایلخانی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔

سلطنت دہلی کا تعلق "وسطی ایشیا" کے چغتائیوں اور ایران کے ایلخانیوں سے رہا۔ التتمش کی زندگی میں تو منگولوں نے برصغیر پر حملہ نہ کیا مگر التتمش کے کمزور جانشینوں نے منگولوں کو حملہ آور ہونے کے مواقع فراہم کیے منگول رہنما بہادر تمر نے لاہور کا محاصرہ کیا اور ۲۱ دسمبر ۱۲۴۱ء کو اس اہم سرحدی شہر پر قبضہ کر لیا۔ چار سال بعد ملتان اور اوچ اُن کی ترک تازیوں کا نشانہ بنے۔ سلطان ناصرالدین محمود کے بھائی جلال الدین مسعود نے حصولِ اقتدار میں ناکامی کے بعد "وسطی ایشیا" کے منگو خان کے دربار میں پناہ حاصل کی۔ بعد میں اوچ اور ملتان کے معزول گورنر شیر خان نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ منگو خان کے احکام پر منگول جرنیل سالی بہادر نے لاہور اور جالندھر پر قبضہ کر کے جلال الدین مسعود کو یہاں امیر بنا دیا۔ جلال الدین مسعود کے بعد کیخسرو نے یکقباد کے خلاف غزنی کے منگول گورنر سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی، اگرچہ وہ جلال الدین مسعود کی طرح کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

ہلاکو خان نے سقوطِ بغداد (۱۲۵۸ء) کے بعد سلطنتِ دہلی کے ساتھ خوشگوار دوستانہ تعلقات استوار کیے اور اُس کی زندگی میں برصغیر پر کوئی حملہ نہ ہوا تاہم ہلاکو خان کے پوتے، عبداللہ خان نے ۱۲۹۲ء میں برصغیر پر حملہ کیا مگر جلد ہی دوستانہ روایت کی تجدید کر لی۔ جلال الدین خلجی (۱۲۹۰ء - ۱۲۹۶ء) اور اُس کے درمیان تحائف کا تبادلہ ہوا۔ ایک منگول سردار الغو خان سے جلال الدین خلجی کی ایک بیٹی بیاہی گئی، خان نے اسلام قبول کیا اور برصغیر کو اُس نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ خلجی دور میں ایران کے ایلخانیوں کے تعلقات برصغیر سے دوستانہ رہے مگر "وسطی ایشیا" کے چغتائیوں نے یکے بعد دیگرے سات حملے کیے۔ تغلق عہد میں چغتائیوں کی پالیسی میں تبدیلی آئی۔ اولاً ۱۳۰۶ء میں دیوا کی وفات پر "وسطی ایشیا" عدم استحکام کا شکار ہو گیا تھا اور چغتائیوں کی باہمی

لڑائیوں نے انہیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اُن کے لیے بیرونی مہمات ممکن نہ تھیں۔ ثانیاً تغلق عہد کے معاصر چغتائی حکمرانوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور خصوصاً یہ اپنے ایلخانی بھائی بندوں کے بجائے تغلق حکمرانوں کے قریب تھے جو اُن کی طرح سُنی المسلک تھے۔ معاصر مؤرخین نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ سلطان محمد تغلق، ترماشیرین اور مصر کے سلطان الناصر نے ایران کے شیعہ ایلخانی حاکم ابوسعید کے خلاف حملہ آور ہونے کی خاطر متحدہ محاذ بنا لیا تھا (۲۸-۱۳۲۷ء) مگر اُن کا یہ مشترکہ حملہ ایلخانی حکومت کے خلاف اِس لیے نہ ہو سکا کہ "وسطی ایشیا" میں ترماشیرین کو اقتدار سے محروم ہونا پڑ گیا (۱۳۳۴ء) نیز ابوسعید اور سلطان الناصر کے درمیان دوستی ہو گئی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں محمد بن تغلق نے بھی ابوسعید سے دوستانہ روابط استوار کر لیے۔ سلطان فیروز تغلق کے عہدِ حکومت میں منگولوں نے دیپال پور پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر واپس ہوئے۔

اِس کے بعد "وسطی ایشیا" سے آنے والوں حملہ آوروں میں اہم ترین نام امیر تیمور کا ہے جس نے ۱۳۹۸ء میں دہلی کو تاراج کیا۔ تیمور سید خضر خان کو مفتوحہ علاقوں کا گورنر بناتے ہوئے سمرقند واپس چلا گیا۔ سید خضر خان امیر تیمور کی زندگی میں اپنے آپ کو اُس کا نائب سمجھتا رہا اور گاہے گاہے امیر تیمور کو تحائف بھیجتا رہا۔ تیمور کی وفات (۱۴۰۴ء) کے بعد اُس کے جانشین شاہ رخ مرزا سے سید خضر خان نے اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور حسبِ معمول سید خضر خان کی سلطنت میں اُن کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ سید مبارک شاہ نے اپنے والد (سید خضر خان) کی روایت پر عمل کرتے ہوئے تیموری حکمرانوں سے روابط قائم رکھے اور سید خاندان کے اِس اظہارِ اطاعت نے ظہیر الدین بابر کو یہ دعویٰ کرنے کا موقع فراہم کیا کہ برصغیر اُس کے اجداد کی راج دھانی ہے

برصغیر پاکستان و ہند میں سلطنتِ دہلی کی جگہ مغل بادشاہت کے قیام سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ بابر خود "وسطی ایشیا" سے تعلق رکھتا تھا اور اُسے قیامِ برصغیر کے چار پانچ برسوں میں سمرقند کی یاد ستاتی رہی تھی۔ مغل سلطنت میں پنجاب اور موجودہ افغانستان کے وہ علاقے شامل تھے جو سلطنت دہلی کے دور میں یا تو BUFFER ZONE کی حیثیت رکھتے تھے یا "وسطی ایشیا" کے حکمرانوں کے زیرِ نگین تھے۔ بابر کو حکومت کے چار سال ملے اور اِس کے جانشین نصیر الدین ہمایوں کو دس سال بعد تخت چھوڑ کر ایران کی خاک چھاننی پڑی۔ جب پندرہ سال بعد اُسے ایرانی امداد و تعاون کے ساتھ دوبارہ تخت حاصل ہوا تو ایک ٹھوکر نے اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ مغل بادشاہت کا حقیقی جلال و جبروت جلال الدین اکبر اور اِس جانشینوں کے ذریعے قائم ہوا۔

ابر کے زمانے سے "وسطی ایشیا" پر شیبانی حکمرانی کر رہے تھے اور ایک حد تک مغل بادشاہت کے مخالف ہمسائے تھے مگر دونوں بادشاہتوں کے حکمران اپنے اپنے مسائل میں الجھے رہے۔ شاہجہان کے

عہد میں بخارا اور سمرقند پر امام قلی کی حکومت تھی اور بلخ و بدخشاں پر اُس کا چھوٹا بھائی نذر محمد حاکم تھا۔ ۱۶۲۹ء میں نذر محمد نے کابل پر حملہ کیا اور اِس کے ایک اہم درّے بامیان پر قبضہ کر لیا لیکن شاہجہاں کی فوجی قوت کے آگاہ ہونے پر اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اس نے معافی مانگ کر فوجیں پیچھے ہٹالیں۔ اِس طرح جو کدورت اور عداوت پیدا ہوئی تھی، ختم ہوگئی۔ ۱۶۴۲ء میں امام قلی کی بینائی جاتی رہی تو نذر محمد نے بخارا اور سمرقند پر بھی قبضہ کر لیا۔ نذر محمد ایک غیر مقبول حکمران ثابت ہوا۔ عوام نے بغاوت کرتے ہوئے اُس کے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا بادشاہ بنا لیا تو نذر محمد اور عبدالعزیز یعنی باپ بیٹے کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوگئی۔ نذر محمد نے شاہجہاں سے فوجی امداد کی درخواست کی۔ شاہجہاں کو اپنے اجداد کی سرزمین میں اثر و رسوخ بڑھانے کا خداداد موقع مل رہا تھا چنانچہ اُس نے بظاہر نذر محمد کی امداد اور حقیقتاً اپنے اجداد کی راہ دہائی میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لیے شہزادہ مراد کی سرکردگی میں مغل فوج روانہ کر دی۔ (۱۶۴۶ء)

مغل فوج نے ابتداءً نذر محمد کی امداد کی لیکن بعد ازاں اُسے شکست دے کر بخارا و سمرقند پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ بلخ اور بدخشاں پر مغل فوج قابض ہوگئی اور نذر محمد بھاگ کر ایران چلا گیا۔ ایران کے معاصر صفوی حکمران (شاہ عباس) نے شاہجہاں کے خلاف، نذر محمد کی امداد کا اعلان کر دیا۔ شہزادہ مراد جنگ سے اُکتا کر واپس آگیا اور ازبکوں نے مغل فوج کو قنّاقانہ طریقِ جنگ اختیار کرتے ہوئے خوب تنگ کیا چنانچہ ۱۶۴۷ء میں اورنگ زیب کی نگرانی میں دوسری مہم روانہ کی گئی۔ اورنگ زیب نے عبدالعزیز شاہ بخارا کو شکست دی۔ جب دونوں باپ بیٹا اپنے اپنے مقاصد میں ناکام ہوگئے تو باپ نذر محمد نے شاہجہاں سے درخواست کی کہ بدخشاں اسے واپس کر دیا جائے، دریں اثنا شاہجہاں اور اُس کے جرنیلوں کو بھی یہ احساس ہوگیا تھا کہ "وسطی ایشیا" کی فتح اور اس پر قبضہ قائم رکھنا خسارے کا سودا ہے، چنانچہ نذر محمد کی درخواست پر نہ صرف بدخشاں اُسے دے دیا گیا بلکہ دوسرے مفتوحہ علاقے بھی اُس کی جھولی میں ڈال دیئے گئے۔ "وسطی ایشیا" کی مہم میں جانی و مالی نقصان نے مغل بادشاہوں پر واضح کر دیا کہ "وسطی ایشیا" میں قسمت آزمائی کی چنداں ضرورت نہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ۵۱ سالہ دورِ حکومت میں جنوبی ہند پر توجہ دی اور اس کی رحلت کے بعد مغلوں کا دورِ زوال شروع ہوگیا تھا جس میں اپنی حفاظت کرنا اُن کے لیے مسئلہ تھا، چہ جائیکہ "وسطی ایشیا" کے لیے کوئی مہم روانہ کی جاتی۔

مغل بادشاہت میں "وسطی ایشیا" سے سیاسی روابط میں حکمرانوں کو چنداں کامیابی نہیں ہوئی مگر ثقافتی و علمی سطح پر روابط میں کوئی کمی بھی نہ آئی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کے ابتدائی چالیس سالہ عہد حکمرانی کے واقعات "منتخب التواریخ" میں لکھے ہیں جس کا تیسرا حصہ اکبری دور کے مشائخ و علماء اور حکماء و شعراء کے احوال و آثار کے تعارف کے لیے وقف ہے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی اہل علم و دانش

کے ساتھ بہت سے لوگ "وسطی ایشیا" سے یہاں آئے اور نام کمایا۔ خواجہ عبیداللہ احرار کے پوتے خواجہ عبدالشہید کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ

سمرقند سے ہندوستان آکر یہاں اٹھارہ سال بسر کیے۔ ۹۸۲ھ ف ۷۵-۱۵۷۴ء میں فرمایا کرتے تھے، ہماری رحلت کا وقت قریب آچکا ہے اور یہ ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم اپنی ہڈیوں کو سمرقند میں اپنے آبائی قبرستان میں پہنچا دیں۔ خواجہ صاحب کے سمرقند پہنچنے کے دو تین دن بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شیخ یعقوب صرفی عہد ہمایونی و اکبری کے بلند پایہ عالم، صوفی اور شاعر تھے۔ انہوں نے اپنے مرشد شیخ حسین خوارزمی سے ملاقات کے لیے "وسطی ایشیا" کا سفر اختیار کیا۔ "وسطی ایشیا" اور مشرق وسطیٰ کی اپنی سیاحت کے بارے میں انہوں نے "مغازی النبی" کے آغاز میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اسی طرح عہد اکبری کے مولانا سعید ترکستانی، حافظ تاشقندی، قاضی نظام بدخشی، ملا پیر محمد شروانی، مرزا مقلس ازبک جیسے اہل علم کا تعلق "وسطی ایشیا" سے تھا۔ شعراء اور علماء کے ساتھ بیسیوں سپاہی پیشہ "وسطی ایشیا" سے آکر یہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

جہاں تک تجارتی روابط کا تعلق ہے، "وسطی ایشیا" کا سامان برصغیر پاکستان و ہند کے بازاروں میں بکتا تھا۔ "وسطی ایشیا" میں شیبانیوں کے بعد استرخانی برسر اقتدار آئے اور ان کے دور (۱۵۹۷ء-۱۶۸۰ء) میں "وسطی ایشیا" خیوا، فرغانہ اور قازق کی آزاد و خود مختار ریاستوں میں بٹ گیا۔ یہ حکمران عہد زوال کے حکمرانوں کی طرح باہم برسر پیکار رہے اور ان کے مشترکہ حریف ان پر تسلط حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اسی زمانے میں برصغیر کی مغل بادشاہت کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر و رسوخ میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کا آغاز برصغیر پاکستان و ہند کے مشرقی یعنی بنگال سے ہوا اور بتدریج مغرب کی طرف پھیلتا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں برطانوی اختیار و اقتدار دریائے سندھ تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی بین الاقوامی سطح پر برطانوی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ دوسری استعماری طاقتوں کے اس کی عداوت و مخالفت فطری تھی۔

یورپی سیاست میں نپولین بوناپارٹ (۱۷۶۹ء-۱۸۲۱ء) برطانیہ کو زک پہنچانے کی فکر میں تھا۔ ۱۸۰۱ء میں اس نے زار روس پال اوّل کے ساتھ مل کر برصغیر پاکستان و ہند در آنے کا پروگرام بنایا۔ منصوبے کے مطابق فرانس اور روس کی مشترکہ فوجیں استرخان میں جمع ہوتیں اور ایران کے تعاون سے ہرات اور قندھار کے راستے درۂ بولان پہنچتیں اور برصغیر پاکستان و ہند میں داخل ہو جاتیں، مگر اس سے پہلے کہ افواج باقاعدہ نقل و حرکت کرتیں، زار روس کی موت نے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

یورپ میں نپولین کے زوال پر برطانیہ کو یہ حیثیت حاصل ہوگئی تھی کہ اسے کوئی چیلنج کرنے والا نہ تھا۔ بحیرۂ روم اور بحر ہند پر اس کا مکمل تسلط تھا اور وہ مشرق میں من مانی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ روس کے لیے یہ سب کچھ برداشت کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا بلکہ اسے اس بات کا شدید خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ برطانوی اقتدار افغانستان کے راستے وسطی ایشیا تک آ سکتا ہے۔ وسطی ایشیا میں روس کے اہم تجارتی مفادات تھے۔

اس کے برعکس برطانوی پالیسی سازوں کو نظر آ رہا تھا کہ روس جنوب کی طرف بتدریج بڑھ رہا ہے۔ خیوا، بخارا، خوقند اور قازق میدانوں پر اس کی نظر ہے اور اگر روس واقعی آگے بڑھتا ہے تو اس کا راستہ روکنے کی کیا سبیل ہوگی؟ کیا خیوا اور بخارا کے "خان" روس کے پیش کو روکنے کی پوزیشن میں ہیں؟ کیا ان کے ساتھ تعاون ہو سکتا ہے؟ اور اگر کبھی ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنے مفادات کے تحفظ کوئی اقدام کرنا پڑتا ہے تو صورتِ حال کیا ہوگی؟۔

اس پس منظر میں برطانوی ہند کے پالیسی سازوں نے ایلچیوں اور جاسوسوں کے ذریعے افغانستان اور وسطی ایشیا کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنی شروع کیں۔ ان بظاہر سیاحوں اور درپردہ جاسوسوں نے نہ صرف اپنی خفیہ رپورٹوں میں وسطی ایشیا کے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کے قیام اور استحکام پر رائے دی بلکہ ان کی فوجی قوت کے جائزے پیش کیے۔ فوجی اہمیت کی حامل جگہوں اور خطے کی جغرافیائی ساخت پر نقشے مرتب کیے۔ ان میں چند ایک نے اپنے ذوقِ تالیف کی تسکین کے لیے سفری یادداشتیں اور تاثرات لکھے ہیں۔ برطانوی نژاد سیاحوں اور ایلچیوں کے ساتھ محکمۂ تعلیم کے منشیوں اور پنڈتوں، نیز آثارِ قدیمہ کے ماہرین سے بھی خوب خوب استفادہ کیا گیا۔ ایلچیوں اور سیاحوں کا یہ آنا جانا یکطرفہ نہ تھا۔ روس کے زار بھی افغانستان اور پنجاب میں اپنے نمائندوں کے ذریعے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں ناکام جنگِ آزادی کے بعد شمالی ہند پر مکمل برطانوی قبضہ ہوگیا اور کمپنی کی جگہ تاجِ برطانیہ نے پالیسی سازی سنبھال لی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی پالیسی یہ رہی کہ روس افغانستان کے معاملات میں مداخلت نہ کرے اور وسطی ایشیا میں اس کی طرف سے کوئی ایسی مداخلت نہ ہو جس سے زارشاہی کو شکایت پیدا ہو۔

روس۔ برطانیہ تعلقات کی سرد مہری کے باوجود وسطی ایشیا اور برصغیر پاکستان و ہند کے درمیان تجارتی و ثقافتی روابط حسبِ سابق قائم رہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے برکات احمد ٹونکی کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

> وسطِ ایشیا، ترکستان کے شہروں خصوصاً بخارا، تاشقند وغیرہ سے شروع کرکے بنگال کے آخری حدود تک چلے جاؤ۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں آپ کا کوئی نہ کوئی شاگرد ضرور نظر آئے گا مگر آپ خصوصیت کے ساتھ ابنِ سینا، طوسی، قوشجی، دوانی، خوانساری، میر باقر داماد کی کتابیں پڑھاتے تھے جو اس زمانے میں صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ شاید دنیائے اسلام میں بھی نہیں پڑھائی

جاتی تھیں اور ماوراء النہر کے طلبہ میں ان مصنفین کی کتابوں کے پڑھنے کا خاص ذوق تھا۔

حواشی

۱۔ تاریخ سلاطین آل غزنین بحوالہ شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ (۱۹۷۱ء) ص ۶۵

۲۔ محمد بن عبدالکریم شہرستانی [MUSLIM SECTS AND DIVISIONS "کتاب الملل والنحل" کے ایک حصہ کا ترجمہ جو مسلم فرقوں سے متعلق ہے۔ از اے۔ کے۔ قاضی" اور جے۔ جی فلائن] لندن، کیگن پال انٹرنیشنل (۱۹۸۴ء) ص ۱۶۵

۳۔ شبیر احمد، قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان میں فلسفہ وحکمت کا آغاز وارتقاء، اقبال ریویو (کراچی) جنوری ۱۹۶۷ء، صفحہ ۶۱

بوعلی سینا کے اسماعیلی ربط کے لیے دیکھیے، اُس کی خود نوشت "سیرۃ الشیخ الرئیس" (عربی) ۔ اصل متن اور اس کے انگریزی ترجمے کے لیے دیکھئے، ولیم ۔ ای ۔ گوہلمین THE LIFE OF IBN SINA: A CRITIC-AL EDITION AND ANNOTATED TRANSLATION نیویارک: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس (۱۹۷۴ء) ص ۱۸، ۱۹ نیز ص ۱۲۰

۴۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: محمد ایوب قادری، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، کراچی: ایچ ۔ ایم سعید کمپنی (۱۹۷۵ء) ص ۸۲ - ۸۸

۵۔ بحوالہ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، اسلام آباد، دارالمؤلفین (س ۔ ن) ص ۱۳۱

۶۔ "وسطی ایشیا" سے متعلق سلاطینِ دہلی کی پالیسی کے لیے دیکھئے: آغا حسین ہمدانی THE FRONTIER POLICY OF THE DELHI SULTANS اسلام آباد، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ وثقافت (۱۹۸۶ء) یار محمد خان ۔ STUDIES IN THE HISTORY OF INDO - PAKISTAN SUBCONTINENT لاہور، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان (۱۹۹۱ء) ص ۷۳ - ۱۰۵

۷۔ ظہیر الدین محمد بابر کی خود نوشت "توزک بابری" میں سمرقند کا ذکر دیکھئے۔ ایک موقع پر بابر نے لکھا ہے کہ "تمام عالم میں سمرقند کے برابر کوئی شہر لطیف نہ ہوگا" بابر نامہ (ترجمہ: مرزا نصیر الدین حیدر)، کراچی: بک لینڈ (۱۹۶۲ء) ص ۷۳

۸۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: سید معین الحق PRINCE AWRANGZIB: A STUDY کراچی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۲ء) ص ۱۸ - ۲۴

۹۔ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ (ترجمہ) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز (۱۹۶۲ء) ص ۵۸۲، ۵۸۳

۱۰۔ دیکھیے: محمد عبداللہ قریشی، شیخ یعقوب صرفی، ماہنامہ ادبی دنیا (لاہور) کشمیر نمبر (مارچ ۔ اپریل ۱۹۶۶ء) ص ۲۱۵ - ۲۳۱، نیز غلام رسول خان، شیخ یعقوب صرفی کا دورۂ ایران ووسطِ ایشیا، دانش (اسلام آباد) فروری ۱۹۹۳ء، ص ۲۱۱ - ۲۳۱

۱۱۔ مناظر احسن گیلانی، مقالہ "برکات احمد ٹونکی"، معارف (اعظم گڑھ) ص ۳۲۲ ۔